Date of Publication : 16-11-2014

PRICE Rs. 2/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 17-18 Nov. 2014R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 November 2014
Issue: 44, Vol.:73

۲۲ تا ۲۸ نومبر ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۴۴، جلد نمبر: ۷۳

صاحبو! کہتے ہیں کہ خود ستائی سے بڑا اشخاص و اقوام کا دشمن دوسرا نہیں مگر جیسے کبھی کبھی ڈاکٹر مہلک بیماریوں کے لیے ایسی دوائیں تجویز کرتے ہیں جو سنکھیا سے بنتی ہیں، اسی طرح کبھی کبھی خود ستائی بھی اچھی لگتی ہے، اس لیے، قارئین! آج کچھ خود ستائی کرلیں۔

میرے انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری مقرر ہونے کے بعد ہفت روزہ 'ہماری زبان' نے اردو کے فروغ میں اردو تعلیم کی ایسی گردان کی کہ دانشوران اردو کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی کہ اسکولوں میں اردو تعلیم کے بغیر نہ تو اس عظیم زبان کا بہ جہتی فروغ ممکن ہے اور نہ ہی اردو ادب کی عظیم روایت کا سلسلہ جاری رہ پائے گا۔

ہیں، میں اردو تعلیم کا نظم اسی طرح نہیں کرتی جس طرح دوسری زبانوں کی تدریس کا انتظام ان اداروں میں ہے۔ انھوں نے نام لے کر کیندریہ ودیالیوں (سینٹرل اسکول) اور نوودیہ ودیالیوں میں اردو تعلیم کے نظم کی بات کی۔ وزیر موصوف نے اس سلسلے میں کوئی وعدہ تو نہیں کیا البتہ یہ ضرور کہا کہ وہ اس معاملے کو CABE میں لے جائیں گی جو تعلیم اور متعلقات تعلیم کی پالیسیاں وضع کرنے کی اعلا ترین باڈی ہے۔ یہ وعدہ ان معنوں میں اہم ہے کہ یہ مرض کی شناخت کی پہلی سنجیدہ کوشش ہے ورنہ تو اردو کے سیمناروں اور کانفرنسوں نے مہمل گوئی، لفاظی اور سیاست دانوں کی قصیدہ خوانی کا جو ریکارڈ قائم کیا ہے، اس کی شاید ہی دنیا کی کسی زبان کے

عالمی اردو تدریس

مائندین اردو کی سمجھ میں یہ بات بھی اچھی طرح آگئی کہ اسکول کے نظام میں اردو کی تعلیم اور دینی مدارس میں اردو بہ حیثیت مذہبی تعلیم دو بالکل مختلف باتیں ہیں۔

قومی اردو کونسل کی بین الاقوامی کانفرنس — 30 اکتوبر تا یکم نومبر — کے اختتامی اجلاس کے دونوں اہم مقررین پروفیسر اختر الواسع اور جناب سید محمد اشرف کی تقریر کا تمام تر زور اسکولوں میں اردو تعلیم کے منقطع سلسلوں کو استوار کرنے کی اپیل تک محدود تھا۔ ظاہر ہے پہلی دفعہ کسی سرکاری ادارے کے اہم ترین اجلاس میں اسکول کی سطح پر اردو تعلیم کے نظم کا مسئلہ مرکزی اہمیت کا حامل بنا۔

اختتامی اجلاس میں خصوصاً پروفیسر اختر الواسع نے اس بات کو بہت زور دے کر کہا کہ آخر کیوں مرکزی وزارت برائے فروغ انسانی وسائل ان اسکولوں میں جو براہ راست اس کے زیر اختیار

ایسے حالات میں کوئی مثال ملے جن سے اردو گزر رہی ہے۔

کانفرنس کے دوران ایک اہم تجویز اردو کی ایک بین الاقوامی باڈی قائم کرنے کی زیر غور آئی جس کا ایک نام بھی تجویز کیا گیا۔ میرے خیال میں اس بین الاقوامی باڈی کو انڈین ہسٹری کانگریس (Indian History Congress) کے طرز پر تشکیل دیا جانا چاہیے (حالانکہ IHC ہندستان تک محدود ہے) اور اس کا اہم ترین مقصد دنیا بھر میں اردو جاننے والوں اور اس زبان سے دل چسپی رکھنے والوں کے بچوں کی ان مخصوص ممالک کے تناظر میں اردو تعلیم کے سیاق و سباق میں رہنمائی ہونی چاہیے۔

غیر ممالک خصوصاً مغربی دنیا کی اردو آبادی اس بات کو سمجھنے سے قطعاً قاصر ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اردو کیسے پڑھائیں اور اس ذیل میں انھیں رہنمائی کی سخت ضرورت ہے۔ خصوصاً

مغربی ممالک کی حکومتیں مادری زبانوں کے تحفظ اور ان کی تعلیم کے لیے بہت سنجیدہ ہیں اور یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ان حکومتوں کو اس سلسلے میں ان ممالک میں آباد اردو والوں کی طرف سے کبھی کوئی مثبت اور قابل عمل تجویز پیش نہیں کی گئی۔ بالعموم ان ممالک میں کبھی کبھار بین الاقوامی ادبی سیمناروں کے لیے حکومت سے مالی معاونت کا مطالبہ کیا گیا جس کی پذیرائی توقع سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔ خصوصاً مغربی ممالک میں بھی بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ اردو کی بات کرتے ہیں ان کی مراد اس اردو ادب سے ہوتی ہے جسے وہ تخلیق کررہے ہیں۔ ان ممالک خصوصاً امریکہ کی اکثر دانش گاہوں میں اردو زبان اور ادب کی تعلیم کا نظم ہے مگر ان ممالک میں بھی اردو والوں نے ہندستان کے طرز پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنا رکھی ہیں اور ان کی دانش گاہوں میں اردو پڑھانے والوں سے

رابطے تقریباً نہیں ہی ہیں۔ خود قومی اردو کونسل کی اس کانفرنس میں عجیب بات ہے کہ اردو کا ایک بھی ایسا مقتدر ادیب نظر نہیں آیا جو مدرس کے طور پر مغربی دانش گاہوں میں برسر کار ہو۔ ان محترمین کی اکثریت ہند و پاکستان نژاد ہے اور ان کی علمی فتوحات ہندستان کے مقتدر ترین انگریزی ناشر شائع کرتے ہیں۔ مغربی دانش گاہوں میں اردو تعلیم کا نظم اس لیے بھی ہے کہ وہاں اکثر اسکولوں میں اردو تعلیم کا نظم نہیں اور اس کی وجہ ان ممالک میں آباد اردو والوں کے تدبر کے فقدان کے سوا کچھ نہیں۔ یہاں ایک اور دل چسپ بات بھی ہے کہ مغربی ممالک میں جب جب اردو کے بین الاقوامی سیمناروں کے لیے حکومت سے مدد لی گئی تو اس رقم کا صرف بڑا حصہ غصب کرلیا گیا یا ایسی کانفرنسیں ان ممالک کے نام نہاد اردو ادیبوں اور شاعروں کے درمیان حریف گروہ بندی کا سبب بنیں۔ انجمن

اطہر فاروقی

ترقی پسند مصنفین کی پچاس سالہ کانفرنس کے موقعے پر برطانوی حکومت کے ذریعے دی جانے والی امداد کو لے کر مقامی منتظمین میں ایسی جوتم پیزار ہوئی کہ وہاں انجمن ترقی پسند مصنفین ہی کا نام ہوا ہوگیا۔ 2001 میں لندن ہی میں اردو ٹرسٹ کے نام سے ایک ادارہ بنا جسے حکومت نے محض ایک درخواست پر بین الاقوامی کانفرنس کے لیے بڑی رقم دی۔ اس رقم نے اس ٹرسٹ میں جو انتشار پیدا کیا، اس کا نظارہ تو ہندستان میں بھی دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اردو کے بین الاقوامی فورم کے قیام کے وقت ان تمام امور کو نظر میں رکھا جانے تاکہ ممالک غیر میں اردو جگ ہنسائی کا سبب نہ بنے۔

سردار جعفری

میرے ہمدم میرے دوست

شوکت کیفی

اردو کے ممتاز ترقی پسند شاعر جناب کیفی اعظمی کی اہلیہ، محترمہ شوکت کیفی کی یہ تحریر علی سردار جعفری کی حیات میں ہی اردو کے موقر رسالہ 'افکار' کراچی کے علی سردار جعفری نمبر ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ چوں کہ یہ تحریر علی سردار جعفری کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلوؤں پر انتہائی اہم روشنی ڈالتی ہے اس لیے اسے ہم اُن کی یومِ ولادت ۲۹ نومبر کی مناسبت سے بہ طورِ خاص شائع کررہے ہیں۔ (ادارہ)

۱۹۴۷ء میں میرے بہنوئی اختر حسین صاحب نے میرا تعارف حیدرآباد کے کل ہند مشاعرے میں شرکت کرنے والے شاعروں سے کرایا "یہ کیفی اعظمی ہیں، یہ مجروح سلطانپوری اور یہ سردار جعفری"۔ میں نے غور سے سردار جعفری کو دیکھا۔ ایک انتہائی Attractive، خوب رو نوجوان جن کی آنکھیں بالکل ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں۔ لمبے لمبے بال جنھیں وہ نہایت دل چسپ ادا سے بار بار پیچھے کی طرف کرلیتے اور ایک بہت ہی دلکش ذہین مسکراہٹ۔

میں نے انھیں آداب کیا اور اندر بھاگ گئی۔ یہ تینوں نوجوان اختر بھائی اور چھوٹی آپا جان کے یہاں ہی ٹھیرے ہوئے تھے اور میں بھی اُن دنوں اُن ہی کے ہاں مہمان تھی۔

مشاعرے کے بعد ایک شام ایک چھوٹی سی بیٹھک میں سردار جعفری نے 'نئی دنیا کو سلام' نظم کے کچھ ٹکڑے سنائے۔ یہ نظم اُن دنوں زیرِ طبع تھی:

یہ آدمی کی گزرگاہ شاہراہِ حیات
ہزاروں سال کا بارِ گراں اٹھائے ہوئے
جبیں پہ کاتبِ تقدیر کی جلی تحریر
گلے سے سیکڑوں تحتِ قدم لگائے ہوئے...

آخری بند تھا

اٹھو اور اٹھ کے انھی قافلوں میں مل جاؤ
جو منزلوں کو ہیں گرد سفر بنائے ہوئے
قدم بڑھائے ہوئے اے مجاہدانِ وطن
مجاہدانِ وطن ہاں قدم بڑھائے ہوئے

اپنی کم عمری کے باوجود مجھے احساس ہوا کہ یہ صاحب کچھ بہت ہی عام قسم کے آدمی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فلاسفر بھی لگ رہے ہیں اور Thinker بھی اور دل چسپ بھی لگتے ہیں۔ انھیں میں نے پڑھا نہیں تھا۔ میں اُس وقت زندگی کے اس دور سے گزر رہی تھی جس میں صرف رومانس ہی رومانس رہتا ہے۔ خوش رنگ دوپٹے رنگنا، چننا اور اوڑھنا، اسکول کے انٹرول میں سہیلیوں کے ساتھ باغ کے چکر لگانا اور خوش گپیوں میں مصروف رہنا ہی ہمارا محبوب مشغلہ تھا۔ ہم تمام لڑکیوں کے محبوب مصنف شفیق الرحمن تھے۔ میری ایک سہیلی شمیم تو انھیں خط بھی لکھتی تھی۔ جب شمیم کے پاس شفیق صاحب کا جواب آتا جو بہت دل چسپ ہوتا تھا، ہم سب کی عید ہو جاتی۔

ایسے دور میں مجھے سردار جعفری کچھ الگ سے لگے۔ ان کی شاعری اور ان کی شخصیت نے مجھے بے حد مرعوب کیا اور میرا جی چاہنے لگا کہ میں ان سے باتیں کروں۔ ان کے فلسفۂ حیات کے بارے میں جانوں اور پھر مجھے آہستہ آہستہ پتا چلا کہ ان کی دنیا کچھ اور ہی ہے جو ہماری دنیا سے الگ ہے۔ یہ بھوکے ننگے لوگوں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ہندوستان سے غریبی، بیکاری اور بے روزگاری ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ظلم اور جبر کے خلاف جدوجہد کررہے ہیں اور اپنی ساری زندگی اس کے لیے وقف کرچکے ہیں۔ بہت زیادہ نہ سمجھتے ہوئے بھی ان کی یہ باتیں مجھے متاثر کرنے لگیں اور ان کی شخصیت میں میری دل چسپی بڑھ گئی۔

سردار بھائی (جن کو میں آج تک سردار بھائی کہتی ہوں) کے ساتھ سلطانہ آپا بھی آئی ہوئی تھیں جن سے ان کا عشق زوروں پر چل رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ کیفی اعظمی کو بڑے بھائی کی طرح پیار کرتے ہیں اور ان کی شادی کے لیے ہمرو کی شیروانی اورنگ آباد سے خرید نے والے ہیں (خاتون کا نام نہیں بتاؤں گی) مجھے بہت غصہ آیا کیوں کہ کیفی اعظمی سے میرا عہد و پیمان آنکھوں ہی آنکھوں میں شروع ہو چکا تھا۔

سردار بھائی شاید مجھے چھیڑنے کے لیے کیفی کی شادی کا ذکر کرتے اور میری طرف مسکرا کے دیکھتے پھر انھیں پتا چلا کہ ہم دونوں بہت سیریس ہیں تو مذاق بند کردیا۔

حیدرآباد کے مشاعرے کے بعد ہم اورنگ آباد گئے جہاں میرے والد اکسائز سپرنٹنڈنٹ تھے۔ سب ہمارے ہی گھر ٹھیرے۔ اورنگ آباد کے مشاعرے کے بعد یہ لوگ بمبئی لوٹ آئے۔

بمبئی پہنچ کر کیفی نے ایک نظم لکھی 'جلال و جمال' اور ترقی پسند مصنفین کی میٹنگ میں (جو سجاد ظہیر کے گھر پر ہوا کرتی تھی) سنائی۔ اس نظم پر کافی بحث و مباحثہ ہوا لیکن سردار بھائی نے کیفی کو الگ بلا کر کہا "اگر شوکت سے تمہاری شادی ہو جائے تو تمہاری شاعری اور نکھر جائے گی"۔

آخر ہمارا عشق کامیاب ہوا اور میرے ابا مجھے بمبئی لے آئے اور سجاد ظہیر صاحب کے گھر میں (جنھیں ہم سب بنے بھائی کہا کرتے تھے) تمام ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں کی موجودگی میں میرا نکاح کیفی اعظمی کے ساتھ پڑھا دیا۔

اُن دنوں کیفی اعظمی کی نظموں کا مجموعہ 'آخرِ شب' چھپ رہا تھا۔ ابھی پوری طرح چھپا نہیں تھا۔ شادی کے بعد جو سب سے پہلا تحفہ مجھے ملا وہ سردار بھائی کا تھا۔ پتا نہیں اتنی جلدی انھوں نے اس کی جلد کیسے بنوائی۔ نہایت خوب صورت چاکلیٹی رنگ کی چمڑے کی جلد جس کے پہلے صفحے پر لکھا تھا موتی کے لیے... (میرا گھر یلو نام)۔

زندگی جہد میں ہے صبر کے قابو میں نہیں
نبضِ ہستی کا لہو کانپتے آنسوؤں میں نہیں
اڑنے کھلنے میں ہے نکہت خم گیسو میں نہیں
جنت اک اور ہے جو مرد کے پہلو میں نہیں
اس کی آزاد روش پر بھی مچلنا ہے تجھے

یہ کیفی کی نظم 'عورت' کا ایک بند ہے۔ اس بند نے میرے شعور میں اضافہ کیا اور سردار بھائی کی یہ ادا مجھے بہت ہی اپنائیت کی لگی۔ پارٹی کمیون میں آنے کے بعد سردار بھائی، سلطانہ آپا، مہدی، ممتاز (یہ سب جو آج بھی کیفی کے بہت پیارے دوست ہیں) سے مل کر میں اپنے بہن بھائیوں کو بھول گئی۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو سردار بھائی کی شادی سلطانہ آپا سے ہوئی۔ شادی کی تقریب بہت ہی سادگی سے ریڈ فلیگ ہال میں کامریڈوں کے ساتھ منائی جا رہی تھی۔ سردار بھائی تقریر کرچکے تھے، سلطانہ آپا شرما شرما کر تقریر کررہی تھیں کہ باہر سے ایک کامریڈ نے آکر اطلاع دی کہ مہاتما گاندھی قتل کردیے گئے ہیں، پھر جو بھگدڑ مچی ہے کہ اللہ توبہ! اس وقت میں اور کیفی اندھیری کے کمیون میں رہتے تھے۔ ہم دونوں نکل کر بھاگے۔ اسٹیشن پر لوگوں کا ہجوم، کسی کو کسی کی پروا نہیں۔ سب اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں۔ یہ خبر تھی کہ یہ کام کسی مسلمان کا ہے۔ فساد ہو جانے کا خوف سب کے دلوں پر طاری تھا۔ ہڑبڑاہٹ میں میں تو ریل میں چڑھ گئی لیکن کیفی اسٹیشن پر رہ گئے۔ اندھیری اسٹیشن پر میں اُتری تو دیکھا کہ کیفی نہیں ہیں۔ میں رونے لگی۔ اتنے میں ایک کامریڈ مل گئے۔ انھوں نے مجھے گھر پہنچایا۔ تھوڑی دیر میں کیفی بھی آگئے۔ پتا نہیں بے چارے دولھا دلہن کی رات کہاں اور کیسے گزری ہوگی۔ شاید عصمت آپا کے گھر رہے ہوں گے کیوں کہ عصمت آپا پیچ سے ان کے ساتھ تھیں۔

اندھیری کمیون میں ہمارا اور سردار بھائی کا کمرہ ساتھ ساتھ تھا۔ وہاں مجھے سردار بھائی کو اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انتہائی سادہ مزاج، رحم دل، زیادہ تر وقت پڑھنے لکھنے میں گزارتے۔ جب کوئی نظم کہنا شروع کرتے تو ٹہل ٹہل کر گنگنانے لگتے اور نظم کہتے جاتے۔

مشاعروں میں سب سے زیادہ داد سردار بھائی اور کیفی کو ملتی اور بنے بھائی اپنی سگریٹ ہونٹوں پر دبائے پیار اور غرور سے ان لوگوں کو دیکھتے رہتے اور خوش ہوتے۔ کام گار میدان اور مدن پورہ کے ہزاروں مزدور مسحور ہو کر ان کی باتیں سنتے اور شعور کی ایک روشنی لے کے اپنے گھر لوٹتے۔

پھر میں کیفی کے ساتھ لکھنؤ چلی گئی۔ وہاں میرا پہلا بیٹا ہوا۔ ایک سال وہاں رہنے کے بعد جب واپس بمبئی پہنچی تو وہاں ایک انقلاب آچکا تھا۔ اندھیری کمیون ٹوٹ چکا تھا اور پارٹی پر پابندی لگ گئی تھی۔ سجاد ظہیر پاکستان چلے گئے تھے اور رضیہ آپا (سجاد ظہیر کی بیوی) لکھنؤ شفٹ ہو چکی تھیں۔ بنے بھائی کا گھر 'سیکری بھون' جو والکیشور روڈ پر تھا، سردار بھائی نے لے لیا تھا۔ 'سیکری بھون' سردار بھائی اور سلطانہ آپا کے آجانے سے ایک چھوٹا سا کمیون بن گیا تھا جس میں مہدی، زہرا (مہدی کی بیوی)، ممتاز حسین اور ان کی بیوی رہنے لگے تھے۔ میرے اور کیفی کے لیے جگہ نہیں تھی اس لیے میں اپنے ماں باپ کے پاس حیدرآباد چلی گئی، اچانک میرا بیٹا بیمار ہوگیا اور پھر وہ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چلا گیا۔

میں نے سنا سلطانہ آپا کے بچہ ہونے والا ہے۔ پھر ایک دن صبح صبح جب کہ سردار بھائی سو کر بھی نہیں اٹھے تھے پولیس آئی اور سردار بھائی کو سلطانہ آپا کی آنکھوں کے سامنے پکڑ کر لے گئی۔ سلطانہ آپا کے دل پر اس وقت کیا بیتی ہوگی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب میں حیدرآباد سے واپس آئی تو سلطانہ آپا کی ہمت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ اُس وقت

تک ان کا بڑا بیٹا پیدا ہو چکا تھا۔ سیکری بھون دو کمروں سے بھرا ہوا تھا۔ سلطانہ آپا نوکری کرتی تھیں۔ اپنے بیٹے کو پالتی تھیں اور کمیون چلاتی تھیں جس میں کہنے کو تو ہر کامریڈ کو ہر مہینے اپنے کھانے کے پچاس روپے دینے پڑتے تھے، لیکن یہ بھوکڑ لوگ کئی کئی مہینے پیسے نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو کھانا وہی کھلاتی تھیں اور ان میں میں بھی ایک تھی۔ کیفی انڈر گراؤنڈ چلے گئے تھے اور میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

پھر سردار بھائی کی ایک نظم میں نے پڑھی 'نیند' جو انھوں نے اپنے بیٹے کے پیدا ہونے پر ناسک جیل سے سلطانہ آپا کو لکھ کر بھیجی تھی (یہ نظم انتخاب میں شامل ہے)۔ اس نظم کو پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے لگا سردار بھائی کے اندر کا انسان کتنا کومل، کتنا نازک، کتنا لطیف اور حساس ہے۔ پھر میں نے سنا سردار بھائی اور دوسرے کامریڈوں نے بھوک ہڑتال کر دی۔

پارٹی نے کال دے دی۔ ایک لاکھ آدمیوں نے قیدیوں کی ہمدردی میں بھوک ہڑتال کی اور جلوس نکالا جس میں میں بھی تھی۔ آرتھر روڈ کے سامنے سے بھی جلوس گزر رہا تھا، نعرہ لگ رہا تھا۔ اس وقت مرارجی ڈیسائی مہاراشٹر کے وزیر اعلا تھے۔ ایک نعرہ تو مجھے اب بھی یاد ہے

مرارجی بھائی کرسی چھوڑ
جلدی چھوڑو، جلدی چھوڑو

باغ جو مزدوروں کا علاقہ ہے وہاں پولیس نے گولی چلا دی۔ ان کی گولی سے 'اپٹا' (انڈین پیوپلز تھیٹر) کا ایک لڑکا ہلاک ہو گیا۔ وینا کومگی (اب ان کا نام وینا پاٹھک ہے اور اسٹیج اور فلم کی مشہور اسٹار ہیں) اور بلراج ساہنی وغیرہ پکڑے گئے اور جیل گئے۔ میں بھاگ کر ایک مزدور کی جھونپڑی میں گھس گئی جہاں اس نے مجھے پانی پلایا اور گھر تک پہنچایا۔

اس کے بعد پھر مجھے میرا آبائی گھر چھوڑنا پڑا۔ ان دنوں شبانہ پیدا ہونے والی تھی۔ پارٹی پر سے پابندی اٹھ چکی تھی، سردار بھائی جیل سے رہا کر دیے گئے تھے۔ سلطانہ آپا سے سیکری بھون بھی چھن چکا تھا۔ کسی سندھی نے پولیس بلا کر ان کے کمرے پر قبضہ کر لیا تھا کیوں کہ سجاد ظہیر جو اس گھر کے اصلی کرایے دار تھے، پاکستان میں انڈر گراؤنڈ تھے۔

یہ لوگ ریڈ فلیگ ہال کے ایک کمرے میں منتقل ہو گئے جو پارٹی کے قبضے میں تھا۔ کیفی کو گھر کی تلاش تھی جو مل نہیں رہا تھا کیوں کہ میری ضد تھی کہ جس کمرے میں رہوں گی اس میں کھانا نہیں پکاؤں گی۔ کچن کے ساتھ کمرہ لینے کی کیفی کی حیثیت نہیں تھی۔ پھر ورلی روڈ پر چوتھی منزل پر ایک نہایت گندا سا کمرہ ملا جس میں بجلی کٹ چکی تھی۔ باتھ روم مشترک تھا، لیکن کچن الگ تھا۔ یہ کمرہ مسعود صاحب اور ان کے بھائی منش جعفری کی مہربانی سے ملا تھا۔

لیکن کچھ مہینوں بعد وہ کمرہ بھی چھن گیا۔ اس وقت تک میں نے پرتھوی تھیٹر میں نوکری کر لی تھی اور کیفی بھی ریڈ فلیگ ہال میں منتقل ہو گئے تھے کیوں کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کا کمیون تھا۔ وہاں آٹھ سال ہم نے گزارے اور وہیں مجھے سردار بھائی کو اور بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی انسان دوستی، ہمدردی اور سادگی نے میرے دل میں گھر کر لیا تھا۔

ریڈ فلیگ ہال میں بھی جو کمرہ ہم کو پہلے پہل ملا اس میں کوئی بالکونی نہیں تھی کہ میں اپنا کچن الگ کر سکوں اور کمرے کے اندر کھانا پکانے کے تصور سے میرا دم گھٹنے لگتا تھا اور مجھے رونا آ جاتا تھا۔ سردار بھائی کو اس کا احساس ہوا۔ انھوں نے بڑے پیار سے کہا کہ تم اپنا کھانا میرے کمرے کے پچھلے حصے میں پکا لو۔ یہ ایک گلی سی تھی جس میں سے لوگ آتے جاتے تھے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی تھی۔ تشکر کے جذبے سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ایک بار پھر مجھے محسوس ہوا کہ اس دنیا میں ایسا انسان بھی ہے جو لوگوں کی تکلیفوں کو محسوس کرتا ہے اور انھیں اپنی حد تک دور کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

پھر بہت جلد ہم کو اسی ریڈ فلیگ ہال میں منیش (کیفی کے جگری دوست) نے اپنا کمرہ دے دیا اور خود سامنے والے کمرے میں منتقل ہو گئے۔ اس کمرے میں سامنے بالکنی تھی۔ اس میں میں نے اپنا کچن بنا لیا اور میری زندگی کے آدھے مسائل حل ہو گئے۔

ایک دن سلطانہ آپا کا سونے کا ہار چوری ہو گیا۔ اس وقت ہمارے پاس ایک بہت ہی چور قسم کا آدمی جس کا نام احوان تھا نوکر تھا۔ میرا اور سلطانہ آپا کا خیال تھا کہ ہار اسی نے چرایا ہے، چنانچہ اسے پولیس میں دے دیا گیا۔ وہاں پولیس نے اسے مارچ کیا، لیکن اس نے کہا کہ اس نے نہیں چرایا ہے (شاید نہ جی چاہا ہو)۔

پولیس اسے سردار بھائی کے پاس لے کر آئی۔ اس نے رو کر کہا "صاحب میں نے نہیں چرایا، مجھے چھوڑ دیجئے"۔ اور اس نے اپنے بال دکھائے کہ پولیس کس طرح بیدردی سے اس کے بال نوچتی اور مارتی رہی ہے۔ بس سردار بھائی کانپ گئے۔ اس وقت تو اسے کسی طرح بھیج دیا، لیکن کام نہیں کر سکے۔ رات بھر ٹہلتے رہے۔ پھر سلطانہ آپا سے گھبرا کر کہا "سلطانہ خدا کے لیے اسے چھڑوا دو میں لکھ نہیں سکتا۔ جیسے ہی قلم اٹھاتا ہوں اپنے بال لیے میرے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے"۔

سلطانہ آپا نے دوسرے ہی دن جا کر اسے چھڑوا دیا۔ سادہ مزاج اس قدر ہیں کہ ایک بار پدم پد سنگھانیا کے ہاں دعوت تھی تمام ترقی پسند شاعر اور ادیب مدعو تھے۔ سجاد ظہیر، سردار جعفری، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس۔ سردار بھائی شیروانی پہنے ہوئے تھے، اندر کرتا پرانا تھا۔ عصمت آپا کی نظر آستین پر پڑی جو پھٹی ہوئی تھی۔ عصمت آپا ایک شرارتی، انھوں نے شرارت سے کرتے کی آستین کھینچنی شروع کی۔ پوری آستین عصمت آپا کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ چیخنے لگیں، جب کہ سردار بھائی بالکل نارمل رہے۔ میں نے پوچھا "اتنی فارمل پارٹی میں آپ پھٹا ہوا کرتا پہن کر کیوں آئے؟" سردار بھائی بغیر شرمندہ ہوئے نہایت اطمینان سے بولے "ان لوگوں نے مجھے میری شاعری سننے کے لیے بلایا ہے نہ کہ میرے کپڑے دیکھنے کے لیے"۔

سردار بھائی بچوں سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ کیسا ہی مرکھنا بچہ کیوں نہ ہو وہ اسے دو منٹ میں اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں پہلے اسے اپنی پیشانی کا ستہ دکھائیں گے، پھر اچھالیں گے۔ پھر اس کی زبان میں دل چسپ باتیں کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ ان کا دوست بن جائے گا۔ آج ان کا پوتا اقبال ان کا سب سے گہرا دوست ہے۔

شبانہ پیدا ہو چکی تھی اور مجھے اس کے نام کی تلاش تھی۔ میں، سردار بھائی اور کیفی ایک بس اسٹاپ پر کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے سردار بھائی سے کہا، میری بچی کے لیے کوئی نام بتائیے۔ سردار بھائی نے کھڑے کھڑے ڈیڑھ درجن نام گنوا دیے۔ جب انھوں نے شبانہ کہا تو میں نے انھیں فوراً روک دیا "ٹھہر جایئے، یہ نام خوب صورت ہے۔ میں اپنی بچی کا یہی نام رکھوں گی۔" چنانچہ اس کا نام شبانہ رکھا گیا جو سردار بھائی کا دیا ہوا ہے۔

سردار بھائی انتہائی دل چسپ آدمی ہیں۔ ان کی صحبت میں آپ ایک منٹ کے لیے بھی بور نہیں ہو سکتے۔ ریڈ فلیگ ہال میں ایک کامریڈ شیل جی رہا کرتے تھے جو ہندی کے شاعر اور ادیب تھے۔ پرتھوی تھیٹر کا آخری ڈراما 'کسان' بھی انھی کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن بے چارے بہت ہی بھولے آدمی ہیں۔ سوالات بہت پوچھتے ہیں۔

ریڈ فلیگ ہال میں ایک بار سردار بھائی صبح صبح باتھ روم سے آ رہے تھے (جو مشترکہ تھا) شیل جی باتھ روم جا رہے تھے۔ شیل جی نے مسکرا کر پوچھا "نہانے گئے تھے؟"

سردار بھائی نے شرارت سے کہا "نہیں، وضو کرنے گیا تھا"۔

ایک بار سلطانہ آپا، سردار بھائی، کیفی اور شیل جی ساتھ پکچر دیکھنے گئے۔ سلطانہ آپا نے سردار بھائی کے کان میں کچھ آہستہ سے کہا۔ فوراً شیل جی نے سوال کیا "آپا کیا کہہ رہی تھیں؟" سردار بھائی نے کہا "پیار مانگ رہی تھیں"۔ بے چارے شیل جی شرما گئے۔

سردار بھائی کی سب سے بڑی خوبی ہے رحم دلی، انسانیت دوستی، بچوں اور انسانوں سے پیار کرنا۔ اگر کیفی اس وقت زندہ ہیں تو اس میں ان کا اور سلطانہ آپا کا بھی ہاتھ ہے۔

۹ فروری ۱۹۷۳ء کو کیفی کو رات کے تین بجے کوئی دورہ پڑا اور دماغ کی رگ پھٹ گئی۔ کچھ ہی دنوں پہلے سردار بھائی کو ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا۔ میں نے ڈر کے مارے ان کو فون نہیں کیا یہ سوچ کر کہ ان کے دل پر برا اثر پڑے گا، لیکن میں پریشان بہت تھی اور رو رو کر میری آواز بھاری ہو چکی تھی۔ صبح نو بجے سردار بھائی کی بہن رباب باجی کا فون آیا "بہت دنوں سے تمہارا فون نہیں آیا، تم ٹھیک تو ہو نا؟" میں نے کہا "رات کیفی کو فالج ہو گیا" وہ گھبرا گئیں اور انھوں نے فوراً سردار بھائی کو بتا دیا، پھر کیا تھا سردار بھائی نے سیکڑوں فون ڈاکٹروں کو کر ڈالے اور بریچ کینڈی اسپتال میں کمرہ بک کر لیا اور مجھے فون کیا کہ میں فوراً کیفی کو لے کر بریچ کینڈی اسپتال پہنچوں۔

اس وقت میرے پاس صرف سو روپے تھے۔ بریچ کینڈی اسپتال کا خرچ اٹھانا میرے بس کا روگ نہیں تھا۔ میں ہچکچانے لگی، سلطانہ آپا نے کہا "شوکت تم پیسوں کی فکر بالکل مت کرو، خدا کے لیے دیر نہ کرو۔ اگر تم ایمبولینس سے نہیں آئیں تو میں یہاں سے آ جاؤں گی، لیکن اس میں اور دیر ہو جائے گی۔ اس لیے جلدی آؤ۔" میں بارہ بجے تک ہسپتال پہنچی تو سردار بھائی اور سلطانہ آپا دو بہت بڑے بڑے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کو لے کر ہماری راہ دیکھ رہے تھے۔ پھر سردار بھائی نے کہا تم ہمارے گھر آ جاؤ، جو ہو گا تمہیں آنے جانے میں تکلیف ہو گی۔

ڈاکٹروں نے کیفی کو 72 گھنٹے دیے کہ اگر اس میں یہ بچ گئے تو بچ جائیں گے ورنہ بچنے کی امید نہیں ہے۔ یہ بات مجھ سے دونوں نے چھپائی۔

میں سردار بھائی کے گھر آ گئی، لیکن پورا دن اسپتال ہی میں رہتی۔ ذرا ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی اور میرے بچے کانپنے لگتے اور میں پاگل بھاگ کر ٹیلی فون پر پہنچتی کہ جانے کیا خبر آئی ہے۔ سردار بھائی نے یہ دیکھا تو کہنے لگے "تم ٹیلی فون ریسیو مت کرو، یہ کام میں کروں گا۔" حالاں کہ کھانے کے بعد انھیں تھوڑی دیر سونے کی عادت ہے، لیکن وہ اپنا سونا بھول چکے تھے۔ گھنٹی بجتے ہی دوڑ کر جاتے اور فون اٹھاتے۔

سلطانہ آپا مجھ سے کہنے لگیں "اگر تمہارے رونے یا پریشان ہونے سے کیفی کی صحت میں ایک فی صد کا بھی اضافہ ہوتا تو میں تم سے ضرور کہتی کہ ضرور روؤ۔ لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہے تو کیوں اپنی صحت تباہ کر رہی ہو۔ ہمت سے کام لو۔ ان کی تیمارداری کے لیے تمہارا تندرست ہونا بہت ضروری ہے۔" ان باتوں سے مجھ میں اتنی ہمت آ گئی کہ میں سب کچھ جھیل گئی۔

اسی طرح جب جاں نثار اختر صاحب کا ہسپتال میں انتقال ہوا تو ان کی بیوی خدیجہ نے سب سے پہلا فون ان ہی دونوں کو کیا۔ ہسپتال میں سب سے پہلے پہنچنے والوں میں یہی دونوں تھے۔ معلوم ہوا کہ ہسپتال کا بل پانچ سو روپے باقی ہے، اس کے بغیر لاش نہیں لے جا سکتے۔ دونوں میاں بیوی دوڑے ہوئے گھر آئے۔ سردار بھائی نے اپنے بٹوے سے تین سو روپے نکالے جو کل ان کی پونجی تھی اور کہنے لگے "سلطانہ

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

دہلی کے سرکاری اسکولوں میں اردو اساتذہ کی 152 پوسٹیں خالی

ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے آر ٹی آئی کے جواب سے معلوم ہوا کہ پنجابی اور سنسکرت کے اساتذہ کی کوئی کمی نہیں ہے

نئی دہلی (۲۵ اکتوبر)۔ دہلی میں دوسری سرکاری زبان اردو کی زبوں حالی کا اعتراف خود ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن نے کیا ہے۔ ایک آر ٹی آئی کے جواب میں محکمے کا کہنا ہے کہ دہلی میں 414 اردو اساتذہ کی ضرورت ہے اور صرف 262 ٹیچرز کو مقرر کیا گیا جب کہ محکمے کے مطابق ابھی 152 اردو اساتذہ کی سیٹیں خالی پڑی ہیں۔ آر ٹی آئی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مستقل اساتذہ کی ضرورت ہے وہاں گیسٹ ٹیچرز سے کام چلایا جا رہا ہے۔ اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ دہلی میں پنجابی اور سنسکرت اساتذہ کی کوئی کمی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی پوسٹ میں کمی کی گئی جب کہ اردو اساتذہ کی زبردست قلت ہے اور ان کی پوسٹیں بھی کم کر دی گئی ہیں۔ یہ بھی پتا چلا کہ کئی اسکولوں میں کمپیوٹر ٹیچر کی پوسٹ پر اردو اساتذہ مقرر کیے گئے ہیں۔

قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات کے کوآرڈینیٹر مظفر علی خاں نے سرکاری اسکولوں میں اردو کی حالت اور اردو اساتذہ کی بحالی کے تعلق سے آر ٹی آئی کے ذریعے ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن سے جواب طلب کیا۔ محکمے سے پوچھا گیا کہ چھٹی سے بارہویں تک دہلی کے کتنے سرکاری اسکولوں میں اردو پڑھائی جا رہی ہے اور کتنے بچے اردو پڑھ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں محکمے نے تفصیل سے بتایا کہ کل 227 اسکولوں میں اردو پڑھائی جا رہی ہے اور وہاں ٹی جی ٹی اردو کی پوسٹ سینکشن ہے۔ ان اسکولوں میں کل 67,964 بچے اردو پڑھ رہے ہیں۔

ایک سوال کے جواب میں محکمے نے بتایا کہ دہلی میں 414 اردو اساتذہ کی ضرورت ہے اور انھوں نے 262 ٹیچرز کو الاٹ کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ جہاں مستقل ٹیچر رکھے جانے تھے وہاں گیسٹ ٹیچر سے کام چلایا جا رہا ہے اور بمشکل 120 ہی مستقل ٹیچر مقرر کیے گئے ہیں۔ پنجابی کے تعلق سے پوچھے جانے پر بتایا گیا کہ 239 اسکولوں میں پنجابی پڑھائی جا رہی ہے جہاں پر بچوں کی تعداد 19,973 ہے، وہاں 255 اساتذہ کی ضرورت ہے جب کہ 254 پوسٹ سینکشن ہیں، صرف ایک ہی ٹیچر کی کمی ہے۔

آر ٹی آئی کے ذریعے یہ بھی انکشاف ہوا کہ دہلی کے 17 سرکاری اسکول ایسے ہیں جہاں پر اردو پڑھنے والوں کی تعداد 1500 سے 2000 کے درمیان ہے لیکن وہاں پر ٹی جی ٹی کمپیوٹر سائنس کی جگہ پر ٹی جی ٹی اردو کو رکھا گیا ہے۔ کسی اسکول میں صرف ایک سے تین تک ٹیچرز ہیں جب کہ وہاں زیادہ اردو اساتذہ کی ضرورت ہے۔ مظفر علی خاں کا کہنا ہے کہ جعفر آباد کے زینت محل اسکول میں 2، ایس کے وی نور نگر میں 3 اور جی جی ایس ایس جوگا بائی میں 2 اردو ٹیچر ہیں جب کہ یہاں کافی تعداد میں اردو پڑھنے والے بچے ہیں، یہاں اساتذہ کی تعداد بڑھائی جانی چاہیے۔

(انقلاب۔ دہلی)

تلنگانہ میں اردو کی عظمت رفتہ کو یقینی بنانے کا اعلان

حیدرآباد (۲۵ اکتوبر)۔ تلنگانہ میں اردو کے ماضی کے موقف کی بحالی کو یقینی بنانے کا اعلان کرتے ہوئے نائب وزیر اعلا تلنگانہ جناب محمد محمود علی نے کہا کہ پچھلے ساٹھ سالوں میں آندھرائی قائدین نے منظم سازش کے تحت اردو کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے کا کام کیا ہے۔ آج یہاں ڈپٹی چیف منسٹر کیمپ آفس پر حکیم سید شمس الدین قادری پر لکھی گئی سوانح عمری کی رسم اجرا کے موقعے پر جناب محمد محمود علی نے یہ بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ وزیر اعلا تلنگانہ مسٹر کے چندر شیکھر راؤ ریاست تلنگانہ میں اردو کی ترقی کے لیے نہایت سنجیدہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تقریر میں اکثر و بیشتر اردو الفاظ کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ محمد محمود علی نے اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو خصوصی مراعات پیش کرنے کے متعلق وزیر اعلا سے مشاورت کا بھی اس موقعے پر اعلان کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کی خصوصی توجہ اردو زبان کے ماضی کے موقف کی تلنگانہ میں بحالی کا سبب بنے گی۔ محمد محمود علی نے کہا کہ پچھلے چند سالوں میں اردو کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اس کی اصل وجہ حکومت کی جانب سے اردو کتابوں کی اشاعت کے لیے امداد کا فقدان ہے مگر تلنگانہ حکومت سابق کی تمام مثالوں کو توڑتے ہوئے تلنگانہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ فراہم کرے گی اور اردو کتابوں، رسالوں، شاعروں کے مجموعوں کی اشاعت میں بھی حکومت بھرپور تعاون دے گی۔ انھوں نے سنٹرل لائبریری کی اردو اور دیگر قدیم کتابوں کو مطالعے کے قابل بنانے کا بھی اس موقعے پر اعلان کیا نیز اردو کے ادیبوں، شاعروں، مصنفوں کو اردو اکیڈمی کی جانب سے ایوارڈ اور رقمی امداد کے متعلق بھی جاری غور و خوض کا اس موقعے پر تذکرہ کیا۔ الحاج محمد محمود علی نے حکیم سید شمس الدین قادری کی سوانح عمری لکھنے والے مصنف سید احسان اللہ قادری کو بھی اس موقعے پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو بیان کرنا ایک خوش آئند بات ہے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اُترا کھنڈ میں اردو اور پنجابی اکیڈمیوں کو فعال بنایا جائے گا

دہرہ دون (۳ نومبر)۔ وزیر اعلا اترا کھنڈ ہریش راوت نے آج ایک اہم بیان دیتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت مختلف اقلیتوں کے درمیان موثر رابطہ کمیٹیوں کی تشکیل کا منصوبہ بنا رہی ہے تاکہ انھیں درپیش مسائل کو بہتر طریقے سے عملی شکل میں لا سکے۔ مختلف اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھنے والے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے راوت نے کہا کہ ریاست میں اردو اور پنجابی اکیڈمیوں کو فعال کیا جائے گا اور ان کے ارکان کی عنقریب نامزدگی عمل میں لائی جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اگر کوئی بھی این جی او اقلیتوں کے لیے کام کرنے کے لیے آگے آتی ہے تو حکومت ایسی این جی اوز کی ہر ممکنہ مدد کرے گی۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے انھوں نے عہدیداروں کو خصوصی ہدایت دی ہے کہ وہ اقلیتوں کے مختلف اسکیموں پر سنجیدگی سے عمل آوری کو یقینی بنائیں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو شاخ اودے پور کے زیر اہتمام
حالی اور کرشن چندر کی یاد میں جلسہ

اودے پور (پریس ریلیز)۔ انجمن ترقی اردو شاخ اودے پور کی جانب سے مولانا الطاف حسین حالی اور کرشن چندر کی یاد میں ۸ نومبر ۲۰۱۳ء کو ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر ثروت خاں نے کی۔ مہمان خصوصی ہندی کے مشہور و معروف کہانی کار پروفیسر راجندر موہن بھٹناگر تھے۔ مہمانان اعزازی پروفیسر فاروق بخشی (صدر شعبۂ اردو، ایم ایل ایس یونیورسٹی اودے پور)، ڈاکٹر رشمی بوہرا (پرنسپل ڈاکٹر کوٹھاری یونیورسٹی، اودے پور) اور ڈاکٹر شاہد اقبال شیخ (صدر شعبۂ سماجیات میرا گرلس کالج اودے پور) تھے۔

پروگرام کا آغاز حالی کی نظموں کی قرات سے کیا گیا۔ مقامی شاعر جناب مشتاق چنچل نے حالی کی مشہور نظم 'اے حب وطن' اور 'مسدس' کے چند بند سنائے۔ حالی کی غزل کوئی پروڈاکٹر تسنیم خانم (لیکچرر شعبۂ اردو میرا گرلس کالج اودے پور) نے مقالہ پڑھا۔ انھوں نے بتایا کہ اقبال نے اپنی شاعری خاص طور سے نظموں میں حالی کا تتبع کیا ہے۔ انھوں نے حالی کی غزلوں کی لفظیات، کھردرے پن اور سادگی کے ساتھ فنی خوبیوں کا جائزہ پیش کیا۔ پروفیسر فاروق بخشی نے اپنی تقریر میں حالی کے تنقیدی افکار پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور مقدمہ شعر و شاعری کی افادیت کو مسلم بتایا۔ پروگرام کے دوسرے حصے میں اردو کے مشہور و معروف فکشن نگار کرشن چندر کی دو کہانیاں پڑھی گئیں جن پر تجزیے بھی پیش کیے گئے۔ پہلی کہانی 'دو فرلانگ لمبی سڑک' کی قرات ڈاکٹر ثروت خاں نے کی اور اس کا تجزیہ ہندی ادب کی معروف نقاد ڈاکٹر رجنی کل شریشٹھ نے ہندی زبان میں پیش کیا جسے بہت سراہا گیا۔ دوسری کہانی 'آگہی' کو ڈاکٹر تسنیم خانم نے پڑھا اور اس پر ڈاکٹر ثروت خاں نے تجزیہ کیا۔ ثروت خاں نے بتایا کہ 'آگہی' ایک سراب ہے، بھلاوا ہے۔ یہ ہیروئن آگہی اور مسافر کی محبت کی کہانی نہیں ہے بلکہ مفروضہ زندگی کی تلاش میں بھٹکتے ایک مسافر کی کہانی ہے اور یہ مفروضہ زندگی انسان کو مل بھی جائے تب بھی وہ بدستور غیر مطمئن ہی رہتا ہے کیوں کہ خوش تر زندگی کا تصور انسان کے ذہن سے ابھرتا ہے۔ سوچنے کا ہنر (Art of Thinking) اگر انسان سیکھ لے تو پھر جو زندگی ملی ہے وہی اس کے لیے اس کی پسندیدہ زندگی بن جاتی ہے اور انسان کو کامل سکون مل جاتا ہے جس کا مسافر متلاشی ہے اور شہر چھوڑ کر قدرت کی گود میں پناہ لینے پہنچتا ہے اور پھر یہاں سے بھی ایک دن لوٹ جاتا ہے۔

مہمان خصوصی پروفیسر راجندر موہن بھٹناگر نے اردو کہانی 'دو فرلانگ لمبی سڑک' کی ہندی کے نقاد سے تجزیہ کروانے کو بہترین تجربہ بتایا اور پروگرام میں کافی تعداد میں ہندی ادیبوں کی موجودگی پر ثروت خاں کو مبارک باد دی کہ اس طرح اردو ہندی کے ادبا کو ایک دوسرے کے ادب کو پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا جس کی آج بہت ضرورت ہے۔ انجمن کے مقامی سرپرست بزرگ شاعر جناب عابد ادیب نے استقبالیہ تقریر میں Inter-disciplinary انداز کو اپنانے پر مسرت کا اظہار کیا اور اس کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انجمن کے زیر اہتمام اسی طرز کے پروگرام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

مہمان اعزازی ڈاکٹر شاہد اقبال شیخ نے اپنے والد محترم مرحوم نور محمد شیخ کی یاد میں انجمن کو گیارہ ہزار کا چیک نذر کیا۔ مرحوم انجمن ترقی اردو اودے پور کے سابق صدر رہ چکے تھے۔ آخر میں شکریے کی رسم اودے پور انجمن کی صدر ڈاکٹر ثروت خاں نے ادا کی۔ اس پروگرام میں اردو ہندی اور انگریزی ادب کی جانی مانی ہستیاں کافی تعداد میں موجود تھیں۔

جودھپور میں محفل افسانہ کا انعقاد

جودھپور (پریس ریلیز)۔ کہانی وقت بتانے کا آلہ تھا مگر آج یہ وقت بچانے کا ہنر ہے۔ افسانہ اپنے بہترین تخلیقی لمحات میں وہی کام کرتا ہے جو ہم سوچتے ہیں''۔ ان خیالات کا اظہار معروف شاعر اور نقاد جناب شین کاف نظام نے بزم اردو جودھپور، مرکز اور امکان ادب کے زیر اہتمام ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو مشہور افسانہ نگار اور اکادمی برائے فروغ استعداد اردو میڈیم اساتذہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے ڈائرکٹر غضنفر علی کے اعزاز میں منعقدہ محفل افسانہ میں اپنے صدارتی خطاب میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ افسانے کا مستقبل اس کا حال ہے اور غضنفر کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے علاوہ دوسروں کے متعلق بھی گفتگو کرتے ہیں۔ غضنفر علی نے سائبر اسپیس (Cyber Space) افسانے کے ذریعے حقیقت اور تخلیق کے فرق کو خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا۔ اس موقعے پر مذاکرے میں ڈاکٹر نگار زاہدی اور ہری گوپال راٹھی نے حصہ لیا۔ محفل میں غضنفر اور واحد نظیر نے اشعار بھی سنائے۔ محفل میں ہندی، اردو اور راجستھانی زبان کے ادیب اور معزز افراد موجود تھے۔ نظامت اشراق الاسلام ماہر نے انجام دی اور شکریہ محمد افضل جودھپوری نے ادا کیا۔

دہلی اردو اکادمی کا جلسہ تقسیم انعامات

انعام یافتگان میں سیدہ جعفر، شمیم حنفی، خاور ہاشمی، اقبال مہدی فرحت احساس، سہیل انجم، ارجمند آرا اور شاہد انور شامل

نئی دہلی (۵ نومبر)۔ اردو کسی ایک مذہب کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں پیدا ہوئی ہے اور یہیں کی زبان ہے۔ اردو والوں کے درمیان شامل ہو کر مجھے فخر ہو رہا ہے۔ اردو سے عقیدت کی حد تک پیار ہے اور اس کی وجہ میرے والدین کا اردو داں ہونا ہے۔ میرے والد عربی، فارسی اور اردو کے اسکالر تھے اور ایک افسانہ نگار تھے۔ خود کو اردو کی کلاسیکی غزلوں کا شائق بتاتے ہوئے کہا کہ بیگم اختر نے اردو غزلوں کو معیار عطا کیا ہے اور میں ان کی غزلوں کو معانی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ افسوس ہے کہ اتنی پیاری زبان اگر کسی نقصان کی شکار ہوتی ہے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہوں گے اور آج ہم یہاں بیٹھ کر یہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ اردو زبان کے نقصان سے اس ملک، اس کی تہذیب، اس کے کلچر اور اس کی روایت کو کتنا بڑا خسارہ ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار دہلی کے چیف سکریٹری ڈی ایم سپولیا نے اردو اکادمی، دہلی کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ تقسیم ایوارڈ سے خطاب کرتے ہوئے دہلی سکریٹریٹ کے آڈیٹوریم میں کیا۔ مہمان اعزازی کے طور پر ایس ایس یادو سکریٹری، آرٹ اینڈ کلچر، حکومت دہلی نے شرکت کی۔

جلسے کی نظامت کے فرائض اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے انجام دیے۔ اس موقعے پر محکمہ فن، ثقافت و السنہ کے سکریٹری ایس ایس یادو نے کہا کہ اردو زبان سے زیادہ شیریں، پرلطف اور عالی شان زبان ہندوستان کی زمین پر دوسری کوئی نہیں ہے۔ اردو زبان کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرے ایک دوست مجھے ہمیشہ مشورہ دیتے ہیں کہ جب بھی کبھی غصہ آئے تو اردو میں بات کرنے کی کوشش کرو تاکہ تمھارے غصے کی کڑواہٹ مٹھاس میں تبدیل ہو جائے۔ یادو نے کہا کہ اردو اکادمی کی ذمہ داری اٹھا کر مجھے فخر ہے اور مجھے اس بات پر بھی فخر ہے کہ اردو اکادمی، دہلی ملک کی دوسری اردو اکادمیوں میں سب سے نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ اس موقعے پر 1982 سے اب تک کے ایوارڈ یافتگان کو تمام پیغام یاد کرتے ہوئے سکریٹری اردو اکادمی انیس اعظمی نے کہا کہ ابھی تک اردو اکادمی دہلی نے 270 ایوارڈ تقسیم کیے ہیں اور فخر کی بات یہ ہے کہ اردو اکادمی دہلی نے اپنا پہلا بہادر شاہ ظفر ایوارڈ اردو کے جاں نثار آنند نرائن ملا کو دیا تھا۔ انیس اعظمی نے اپنی افتتاحی تقریر میں اکادمی کی جملہ کارکردگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے کہا کہ پوری اردو دنیا کو ہر سال ایوارڈ فنکشن کا انتظار رہتا ہے اور اکادمی کے معیاری انتخاب یا پھر ان کی کتابوں پر بھی اردو کے لوگ نہایت دیانت داری سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ انھوں نے تمام ایوارڈ یافتگان کو مبارک باد پیش کی اور جلسے میں شریک ملک اور بیرون ملک سے آئے اردو دوستوں کا خیر مقدم اور شکریہ ادا کیا۔ ایوارڈ یافتگان میں کل ہند بہادر شاہ ظفر ایوارڈ پروفیسر سیدہ جعفر، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی ایوارڈ پروفیسر شمیم حنفی، ایوارڈ برائے تحقیق و تنقید ڈاکٹر خاور ہاشمی، ایوارڈ برائے تخلیقی نثر اقبال مہدی، ایوارڈ برائے شاعری فرحت احساس، ایوارڈ برائے ترجمہ ڈاکٹر ارجمند آرا، ایوارڈ برائے اردو صحافت سہیل انجم، ایوارڈ برائے اردو ڈراما شاہد انور کو نوازا گیا۔ علالت کی وجہ سے پروفیسر سیدہ جعفر نہ آسکیں اور ان کا ایوارڈ ان کے بیٹے کیپٹن ایس ایچ مہدی نے حاصل کیا جب کہ فرحت احساس بیرون ملک ہونے کی وجہ سے نہ آسکے، ان کا ایوارڈ ان کے دوست معصوم مرادآبادی نے حاصل کیا جب کہ اس موقعے پر انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی، ڈاکٹر پرویز میاں، خواجہ خلیل اللہ، اسعد میاں، اطہر لدھیانوی، ڈاکٹر فرقان انصاری، حاجی میاں فیاض الدین، ڈاکٹر ضیاء تقریر، مولانا عطاء الرحمن قاسمی، کیفی گرانی کے استاد وسیم احمد، شیخ علیم الدین اسعدی، اشتیاق احمد مدنی اور اردو داں کثیر تعداد میں موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

ترنم جہاں کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض

موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی، اودے پور نے شعبہ اردو کی ریسرچ اسکالر ترنم جہاں کو ان کے تحقیقی مقالے "اردو ناول میں حقیقت نگاری" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ انھوں نے اپنا تحقیقی مقالہ شعبہ اردو موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر رئیس احمد کے زیر نگرانی مکمل کیا۔

ماریشس میں پرائمری سے پوسٹ گریجویٹ تک اردو کی تعلیم مفت دی جاتی ہے

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ماریشس کے ڈاکٹر شہزاد احمد عبداللہ کا خطاب

علی گڑھ (۳ نومبر)۔ ماریشس کے اردو داں طبقے کا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے قدیم رشتہ ہے، ہمارے یہاں تقریباً آٹھ لاکھ افراد اردو سمجھتے ہیں اور وہاں حکومت کی جانب سے پرائمری سے لے کر پوسٹ گریجویٹ سطح تک اردو تعلیم کا مفت انتظام کیا گیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ماریشس اردو اسپیکنگ یونین کے صدر ڈاکٹر شہزاد احمد عبداللہ نے 'اردو سوسائٹی' کے زیر اہتمام منعقد جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے کہا کہ ماریشس میں 70 فیصدی ہندوستانی رہتے ہیں، وہاں کے مسلمانوں نے اپنی تہذیب کی بقا کے لیے اردو زبان کو فروغ دیا اور آج وہاں غزل، نعت، قوالی اور ڈراما وغیرہ کے ذریعے عوام میں اردو زبان سیکھنے کی طرف رغبت دلائی جا رہی ہے۔

اس سے قبل مہمانان کا استقبال کرتے ہوئے پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے کہا کہ ماریشس ایک چھوٹا جزیرہ ہے، جہاں مشرقی یوپی، بہار، بنگال اور گجرات کے لوگ کام کے سلسلے میں جا کر آباد ہوئے تھے اور معروف میمن خانوادے سے تعلق رکھنے والے تاجر عبداللہ احمد نے اردو کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

پروفیسر عنایت حسین عیدن، صابر گودڑ وغیرہ کے بعد اب ڈاکٹر شہزاد احمد عبداللہ اس کار خیر میں تعاون کر رہے ہیں۔ صدارتی خطبے میں شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر سید محمد امین نے ماریشس کے ساتھ علی گڑھ کے رشتے کو مزید مضبوط کرنے پر زور دیا۔ اس موقعے پر پروفیسر عقیل احمد، پروفیسر محمد زاہد، پروفیسر صغیر افراہیم، پروفیسر سید محمد ہاشم، پروفیسر [illegible] قاسمی، ڈاکٹر انور دوست (ماریشس)، ڈاکٹر سراج اجملی، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب، ڈاکٹر محمد جاوید وغیرہ کے ساتھ تمام ریسرچ اسکالر موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

صرف دس فیصد اسکولوں میں ہی حق تعلیم قانون کا نفاذ

رائٹ ٹو ایجوکیشن فورم نے کہا فی الوقت 12 لاکھ اساتذہ کی کمی کے ساتھ بچوں کی تعداد میں بھی بھاری گراوٹ

نئی دہلی (۲۹ اکتوبر)۔ تعلیمی میدان میں ملک میں سرگرم تقریباً سو رضاکار تنظیموں کے فیڈریشن رائٹ ٹو ایجوکیشن فورم (آر ٹی ای ایف) نے کہا ہے کہ مفت اور لازمی تعلیمی قانون بننے کے تین سال بعد بھی صرف دس فیصد اسکولوں میں اس قانون کے تمام التزامات پوری طرح نافذ ہو پائے ہیں اور اب بھی اس فیصد اسکولوں میں صرف ایک ہی استاد ہے۔ فورم نے یہ بھی کہا ہے کہ اس قانون کے تحت ملک کے تمام اسکولوں میں تقرری اور تربیت کرنا تھا مگر اب تک 12 لاکھ اساتذہ کی کمی ہے۔ فورم اس قانون کے بہتر نفاذ کے لیے یکم نومبر سے ۳۱ مارچ تک ملک میں 150 دنوں کی ایک قومی مہم شروع کر رہا ہے، اس مہم کے تحت اس قانون کی خلاف ورزی کے دس لاکھ معاملات کو جمع کر کے حکومت کو اور سپریم کورٹ کے سپرد کیا جائے گا۔ سابق سکریٹری خارجہ مچکند دوبے، فورم کے کنوینر امبریش رائے، کل پرائمری ٹیچر یونین کے نائب صدر رام چندر ڈباس، بہار تعلیم [illegible] اور اختر صدیقی نے آج یہاں ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا۔ فورم کے کنوینر امبریش رائے نے صحافیوں سے کہا کہ مفت اور لازمی تعلیم کے قانون کے تمام دفعات کو مکمل طور پر صرف دس فیصد اسکولوں میں ہی نافذ کیا جا سکا ہے۔

(آگ، لکھنؤ)

سرکاری پرائمری اسکولوں کی حالت زار

50 طلبہ پر 3-3 ٹیچرس تو کہیں 150 بچوں پر ایک ہی ٹیچر

نجیب آباد (۳۰ اکتوبر)۔ محکمۂ تعلیم کا آج کل اس قدر برا حال ہے کہ کہیں تو سرکاری پرائمری اسکولوں میں 50 طلبہ پر تین تین ٹیچرس اور شکشا متر بھی ہیں اور کہیں 150 طلبہ پر صرف ایک ہی ٹیچر ہے۔ اب ان حالات میں بچوں کو کیسے تعلیم دی جا سکتی ہے، اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

سرکاری پرائمری اسکولوں پر حکومت کے لاکھوں روپے فی ماہ خرچ ہو رہے ہیں مگر وہ سب رائیگاں جا رہے ہیں کیوں کہ دیہی علاقوں میں سڑک کے کنارے جو اسکول قائم ہیں وہیں ٹیچرس ان میں ہی جانا پسند کرتے ہیں اور جو اسکول گاؤں کے اندر ہیں وہاں پر کوئی بھی ٹیچر اپنی تقرری نہیں چاہتا۔ الزام ہے کہ محکمہ تعلیم میں چپے دے کر اپنی مرضی کا اسکول مل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے جس اسکول میں صرف 25-50 طلبہ ہیں ان میں تین تین ٹیچرس اور شکشا متر موجود ہیں اور جن اسکولوں میں طلبہ کثیر تعداد میں ہیں ان اسکولوں میں ٹیچرس ہی نہیں ہیں۔ محکمہ تعلیم اس جانب کوئی توجہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں ان پرائمری اسکولوں کا اس قدر برا حال ہے کہ جن ٹیچرس کی تقرری بطور اردو ٹیچر کی گئی ہے وہ اردو نہ پڑھا کر طلبہ کو دیگر مضامین پڑھا رہے ہیں۔ بہت سے اسکول ایسے ہیں جن میں اردو پڑھنے والے طلبہ تو ہیں مگر اردو ٹیچرز انھیں نہیں پڑھا رہے ہیں اور نہ ہی اردو ٹیچرس بچوں کو اردو پڑھنے کے لیے زور دیتے ہیں۔ دیہی علاقوں کے بہت سے اسکول تو ایسے ہیں کہ جن میں ٹیچرس کی تقرری تو ہے، مگر ٹیچر اسکول ہی نہیں جاتے ہیں، لیکن تنخواہیں متواتر حاصل کر رہے ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

رفتید ولے نہ از دل ما

لکھنؤ۔ اردو کے معروف شاعر جناب اقبال عمر کا طویل علالت کے بعد ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو لکھنؤ کے میڈیکل کالج میں انتقال ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ لاری کارڈیالوجی اور ٹراما سینٹر میں زیر علاج رہے۔ مرحوم کی تدفین عیش باغ کے قبرستان میں بعد نماز عشاء ہوئی۔

اقبال عمر عام شعرا کے برعکس کردار کے بڑے مضبوط انسان تھے، کم سخن تھے، دھیمی آواز میں کلام کرتے تھے اور بلا وجہ اپنی شاعری کا ذکر کرنا یا اپنا شعر سنانا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ ہمیشہ ادبی حلقوں میں سرگرم اور محبوب رہے، وہ بڑے اچھے شاعر تھے، ترنم بھی اچھا تھا مگر مشاعروں میں نہیں جاتے تھے بس کافی ہاؤس یا نجی نشستوں میں ہی اپنا کلام سناتے تھے۔ وہ پہلے لکھنؤ میں سیلس ٹیکس شعبے سے وابستہ رہے پھر دہلی گئے تو نیشنل کوآپریٹو سوسائٹی میں ڈپٹی ڈائرکٹر کے منصب سے سبکدوش ہوئے۔

اقبال عمر کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان کا آخری مجموعہ 'زمین شعر' ہے جس میں کمال احمد صدیقی، حیات لکھنوی، کرشن موہن، نیاز حیدر، جوگیندر پال، اودیندر ستیارتھی نے ایمانداری اور خلوص سے ان کی شعری صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **خوابِ سمندر**
(شعری مجموعہ)

مصنف : ایوب تیمم

قیمت : ۲۰۰ روپے

ناشر : پاوتی پبلی کیشنز، 3032/4،
قاضی واڑہ، دریا گنج،
نئی دہلی۔ 110002

تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

''خوابِ سمندر'' روحانی شاعر ایوب تیمم کا پہلا غزلوں کا مجموعہ ہے جس میں بقول ڈاکٹر محمد فیروز دہلوی ''روایت میں جدیدیت کی رمق ہے'' اور عام روش سے بغاوت و روایت شکنی صاف جھلکتی ہے۔ بجنور کے گاؤں ٹھیان پور میں ایوب تیمم پیدا ہوئے۔ خراب مالی حالات کے سبب بچپن ہی میں پڑھائی چھوڑ کر ترکِ وطن پر مجبور ہوگئے اور کوٹن۔ احمد آباد ہوتے ہوئے دہلی میں اقامت پذیر ہوئے۔ فنی مہارت کے باعث وہ چند سال خلیجی ممالک میں بھی پانچ ستارہ ہوٹلوں میں کام کرتے رہے۔ روزگار کی تلاش نے ان کو کئی تجربوں سے ہمکنار کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اپنے ہی گھر کو ہوا جب مجھ پہ ہر دروازہ بند
پھر مقفل ہر کسی کا مجھ کو دروازہ لگا
جن اندھیروں سے میں گھبرا کے چلا آیا تھا
آج اس راہ میں ہر سمت اجالے ہوں گے

باذوق شاعروں اور ادیبوں کی قربت نے ان کے اندر شاعری کی شمع روشن کردی اور وہ فیکٹری میں دن بھر مشقت کرنے کے بعد شاعری میں تسکین ڈھونڈتے پھرتے رہے۔ انھوں نے مضامین اور افسانے بھی رقم کیے ہیں۔ ان کے یہاں بھلے ہی اعلا تعلیمی ڈگریاں نہ ہوں مگر وہ ذاتی طور پر کافی مطالعہ کرتے رہے۔ کشمکشِ روزگار نے انھیں مشاہدے کے بہت سارے مواقع فراہم کیے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں بقول فاروق رنگی ''فطری اور وجدانی شاعری کا خوب صورت احساس'' جھلکتا ہے۔ ان کے اشعار روحانیت اور زندگی کے کرب و یاس سے بھرپور ہیں۔

الفراق میں چھلکی ہوئی خوشبو سے اپنی
مجھ کو وہ بھی چھوڑنے آیا تھا سڑک تک

جس کو گاؤں کی پگڈنڈی پر روتا چھوڑ کے آیا تھا
کوئی بتائے مجھ کو وہ کس حال سے ہے کیسا اس کا

مجھ کو تلاش کرتا رہا وہ بھی تا عمر
میں بھی تیمم اس کو سدا ڈھونڈتا پھرا

مجھ کے گزرے تو دل یا دہ کا موسم جب سے
لذتِ وصل کے احساس سے تن من جاگے

بجلی چمکی، بادل گرجا اور یہ آندھی آئی
تیز ہواؤں کا ساون میں ہو جاتے ہیں چپ چاپ

وہ جو تاریکیاں سب راستے کے کھوگیا
اور اپنے ساتھ ہی گرد و غبار تک لے گیا

دکھ کرتے ہیں محبت تم کرو تو وہ
میں تھے پیارے رکھوں اپنا رکھوں

تیمم کی شاعری حقیقت پسندی، خود احتسابی، عصری کرب کے خلاف بغاوت اور جدید سوچ و فکر کا آئینہ دار ہے۔ وہ زندگی کی حقیقت کو جاننے اور اپنی وجودی شکش کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سوچ و فکر جدیدیت سے بھی متاثر نظر آتی ہے۔ وہ کہیں علامتوں اور استعاروں کو بخوبی استعمال کرتے ہیں اور کہیں سیدھے سادے الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرتے ہیں۔ ایوب تیمم نے اپنی شاعری میں ہندی الفاظ (جیسے، ساجن، گوری، اتر، جیون، کاون، آکاش وغیرہ) اور انگریزی الفاظ (انگیج، بیچ، لیڈیز، لاکر وغیرہ) کا بڑی ہنرمندی سے استعمال کیا ہے

موتی ہے چوڑی جب ہے وہ وہی
تو پھر آگ اور چھوڑ لے گئے اوس

شہر بہار میں جیسے بے رنگ و بہار کوئی
میں اپنی ذات کا ہوں خود ہی اشتہار کوئی

شاخ سرسبز سے یوں تو میرا رشتہ بھی نہیں
میں وہ سوکھا ہوا پتہ ہوں جو ٹوٹا بھی نہیں

اپنا تو آئینوں میں خود آپ تھا کہ میرے سوا
سب نے چہرے پہ لگا رکھا تھا چہرہ یارو

میں کسی سوچ میں گم ہوں کہ ہے بیہودہ دوست جس دن
جھانک کے دیکھوں تو اندر بیٹھا ہے خود میرا دشمن

سانس لکھوا دینے سے تو لفظوں میں بولیں گے
اس سے بہتر ہے خاموشی کی چادر ڈال دو

موسم، ٹکراؤں کی تھی ایک بھیڑ میرے چاروں طرف
اور اس بھیڑ میں ہر شخص تھا بچھڑا یارو

وجہِ زیست ہو رہے ہیں خواہشوں کے دائرے
رفتہ رفتہ آدمی خود ہی میں سمٹا جا رہا

آئینے سے ہم بچ کے رہتے ہیں کل دنیا بچھڑ جائے گی
بجلی چمکی تو اس سے عمر کی پرکیف محبت اور کیا لگی

میں بتاؤں گا تمھیں آگے کی منزل کا پتہ
تم بچھڑ وہ مرے ساتھ تو آؤ تو

ایوب تیمم کے یہاں پختہ سماجی، سیاسی شعور ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں موروثی سیاست، عریانیت اور معاشرے کی بے راہ روی کی جانب اشارے ملتے ہیں۔ کہیں پر وہ لڑکی کی تصویر کشی کرتے ہیں اور کہیں ظرافت کا سہارا لے کر اس پر طنز کرتے ہیں۔ ہم عصر معاشرے میں پھیلی تخریبی ذہنیت اور دہشت گردی کے بارے میں انھوں نے کئی اشعار قلم بند کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے چند اشعار:

آج قامت اٹھ رہے کر پوچھتے ہیں اب اسے
جب وہ زندہ تھا تو اک انسان بچھڑا تھا فقط

جب سے دیکھا لفظوں کا یہ تماشہ
میں نے لباسِ خاموشی خود پہنا ہے

زہر گھلتا ہے اب کے سال ہواؤں میں
خول میں اپنے مجھے سمٹ کر رہنا ہے

آندھیاں سب میں ہو گئیں داخل
اب نہیں ہے کوئی بھی گھر محفوظ

بستیوں کے مٹ گئے سارے نقوش
صرف باقی ایک گنبد ہے وہیں

وہ بوند بوند برستا عذاب بھول گئے
زمیں کے لوگ سحابوں کے باب بھول گئے

مجموعی طور پر ایوب تیمم کا شعری مجموعہ ''خوابِ سمندر'' ان کی شاعرانہ صلاحیت اور گوناگوں تجربات و مشاہدات پر دال ہے۔ امید ہے کہ آگے بھی ان کا قلم ایسے ہی موتی بکھیرتا رہے گا۔

●○●

نام کتاب : **تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ**
ایک تحقیقی مطالعہ

مصنف : خوشتر نورانی

ضخامت : ۲۵۶ صفحات

قیمت : ۲۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ فکر اسلامی دہلی،
مکتبہ جام نور، 422، مٹیا محل،
جامع مسجد دہلی-6

تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی
sakhtar0075@gmail.com

سید احمد شہید (1786-1831) اور شاہ اسمٰعیل شہید (وفات 1831) کے جہاد کا مشن دراصل سکھوں کی سرکوبی تھا۔ اس جہاد کو بعض دانشوروں اور تاریخ نویسوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد سے جوڑ دیا۔ کیا اس کا مقصد برٹش گورنمنٹ کا خاتمہ تھا؟ یہ اہم سوال ہے۔ اس طرح اہل قلم دو گروپ میں تقسیم ہوگئے۔ جنھوں نے اسے برٹش گورنمنٹ کے استیصال سے جوڑا انھوں نے مخالف پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔ اگر اس کا موقع بھی آیا تب بھی حقائق کے اظہار میں مصلحتیں حائل ہوگئیں۔ سکھوں کی سرکوبی کا نظریہ رکھنے والوں کا حال بھی یہی ہے۔ اس سلسلے میں جو بھی تحقیق ہوئی اسے حرفِ آخر گمان کرتے ہوئے مزید کی پیش رفت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور سابقہ دلائل کو ہی دہرایا جاتا رہا۔

''تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ: ایک تحقیقی مطالعہ'' خوشتر نورانی کی وہ تحقیقی کاوش ہے جو تحریک کے حقیقی ہدف کو متعین کرتی ہے۔ اس کے محتویات میں ''سید احمد رائے بریلوی: ایک تعارف، تحریک جہاد کی تاریخ: ایک جائزہ، تحریک جہاد کا منشور: ایک مطالعہ، تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ، تحریک جہاد اور انقلاب 1857'' ایک اہم اور نایاب مخطوطے کی دریافت کی شمولیت ہے۔ تذکرہ نگاروں کا ماننا ہے کہ انیسویں صدی میں ابتدائی سطح پر یہ سکھوں کی سرکوبی کے لیے تشکیل دی گئی۔ رنجیت سنگھ کے انتقال پر سکھ سلطنت کمزور ہوگئی اور 1849 میں پنجاب پر برطانوی حکومت کا تسلط ہوگیا۔ ایسے میں خود حکومت نے اس تحریک کو ختم کرنے کے اقدام کرنے شروع کردیے۔ یہ کشمکش طویل مدت تک چلتی رہی۔ جب تحریک کی باضابطہ تاریخ لکھی گئی تو اس میں یہ واضح کیا گیا کہ یہ برطانوی حکومت کے خاتمے کے لیے برپا کی گئی تھی۔ یوں یہ ماننے میں کوئی حرج نہیں کہ اس تحریک نے جدوجہد آزادی کی بنیادی اینٹ رکھی۔ پروفیسر معین الدین عقیل اپنے جائزے میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس تحریک کے کامیابی کے امکانات تھے مگر یہ جہاد ناکامی سے دوچار ہوا، پھر بھی یہ تحریک ختم نہیں ہوئی اور سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کے رفقا نے اسے بیسویں صدی کے اوائل تک برقرار رکھا۔ فاضل محقق کا ماننا ہے کہ سید احمد رائے بریلوی اور ان کی تحریک کے مورخین نے ان سے عقیدت و ارادت رکھتے ہوئے حقائق کے اظہار سے گریز کیا۔

یہ کاوش بعض نئے انکشافات سامنے لاتی ہے اور یہ سوال بھی اٹھاتی ہے کہ کیا امتِ مسلمہ کی پوری تاریخ پر مسلکی رنگ غالب ہے جس میں سیرت خاتم الانبیا، خلفائے راشدین اور مسلم بادشاہان شامل ہیں۔ محققین ایک بار پھر تاریخ کی ورق گردانی کریں اور حقائق کو کھنگال کر سامنے لائیں۔

○○○

بقیہ: سردار جعفری: میرے ہمدم...

صفحہ ۳ سے آگے

تمھارے پاس کتنے روپے ہیں۔ وہ سب مجھ کو دے دو''۔ پھر اسپتال گئے اور یہ پیسے جمع کروا دیے۔ یہ بات ان دونوں میں سے کسی نے نہیں بتائی بلکہ خدیجہ نے بعد میں مجھے بتایا۔

سجاد ظہیر کی بیوی رضیہ آپا کی موت کے بعد جب کیفی نے کنڈولنس میٹنگ بلائی تو سردار بھائی رضیہ آپا کے بارے میں تقریر کررہے تھے۔ تقریر کرتے کرتے وہ رونے لگے۔ ان کی آواز بھرا گئی اور بول نہیں سکے۔ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوگئے۔ ان کا دل گلاب میں پنکھڑی کی طرح نازک ہے جو ذرا سی تکلیف سے مرجھا جاتا ہے۔

کیفی کو کمیونسٹ پارٹی میں لانے والوں میں سردار بھائی کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ریڈ فلیگ ہال کے کمرے میں جب کیفی نہیں ہوتے تھے تو سردار بھائی کمرے میں آتے اور مجھ سے پوچھتے۔ کیفی نے کوئی نئی نظم کہی ہے۔ اگر میرے علم میں نہیں ہوتا تو خود ان کی میز پر کسی کاغذ پر یا سگریٹ کی ڈبیہ پر جو بھی انھیں لکھا ہوا ملتا لے جاتے اور چھپوا دیتے۔

حسد نام کا کوئی جذبہ ان کے دل میں نہیں ہے۔ کیفی کی کسی اچھی نظم پر اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح وہ اپنی نظم پر خوش ہو سکتے ہیں۔ جب کیفی کو لوٹس ایوارڈ (Lotus Award) ملا تو وگیان بھون کے مشاعرے میں جو دہلی میں ہوا تھا سب سے پہلے کیفی کے ایوارڈ کو سردار بھائی نے اناؤنس کیا۔

پچھلے دنوں کیفی نے سردار بھائی پر ایک بہت ہی خوب صورت نظم کہی ہے۔ سردار بھائی بے حد حسن پرست ہیں اور عاشق مزاج بھی، لیکن اپنی بیوی سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے۔

بیماری کے بعد ان میں قوتِ برداشت کی کمی ضرور ہوگئی ہے لیکن پھر بھی کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ ۱۹۵۳ء میں والد کے انتقال کے بعد اپنی وہ

بیٹیوں کو اپنے پاس بلا لیا جو آج تک ان کے ساتھ ہیں۔ انھیں خود کفیل بنانے میں سردار بھائی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

رنجیت کپور (اسٹیج کا ایک بڑا ڈائرکٹر) کا کہنا تو یہ ہے کہ وہ خود اپنے اندر ایک ترقی پسند تحریک ہیں اور یہ بات بہت حد تک سچ ہے۔

۱۹۴۳ء میں جب بنگال میں بُری طرح قحط پھیلا ہوا تھا اور انگریزوں کے خلاف آزادی کی لڑائی زوروں پر تھی تو اسی حساس آدمی نے لوگوں کی تکلیفوں کو شدت سے محسوس کیا اور ایک طویل ڈرامائی نظم لکھی جو اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی نظم ہے 'نئی دنیا کو سلام' اس میں تین کردار بہت اہم ہیں، ایک جاوید جو انقلابی ہے اور اس کی بیوی مریم جس کے بچہ ہونے والا ہے جو نئی دنیا کی علامت ہے، جب جاوید اپنی بیوی کو سرمایہ داری کی بھیانک تصویر دکھاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ زبان پر عبور، اپنے موضوع سے بے پناہ خلوص کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ سننے والے کو سرمایہ داری سے نفرت ہونے لگتی ہے

آج 'سرمایہ داری'
بڑھی فحبہ ہے دلالی پیشہ ہے اس کا
اب وہ ایک سانس لیتی ہوئی لاش ہے
سالہا سال سے سڑ رہی ہے
قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوئی ہے
اس نے اپنی جوانی میں اپنی بدکاریوں سے
کتنے بچے جنے ہیں
بھوک، بیکاری، افلاس، قحط، وبا، جہل، وہم، آتشک
زہریلی گیس اور ایٹم کے بم اس کی
گودوں کے پالے ہوئے ہیں
اب یہ بچے جواں ہو گئے ہیں
زندگی کے لیے ایک بلا ہو گئے ہیں

ممکن ہے ادیبوں کو یہ کافی سخت لگے لیکن اس سے اچھا لفظ اس جذبے کے لیے نہیں مل سکتا۔ اس نظم میں بے پناہ روانی ہے۔ اگر اس نظم کو اسٹیج کیا جائے اور کوئی اچھا آرٹسٹ جس کی زبان اچھی ہو تو وہ لوگوں کے رونگٹے کھڑے کر سکتا ہے۔

اور پھر جب ۱۹۶۵ء میں ہندوستان پاکستان میں پہلی جنگ ہوئی تو اسی حساس شاعر نے 'صبح فردا' نظم کہی:

اسی سرحد پہ کل ڈوبا تھا سورج ہو کے دو ٹکڑے
اسی سرحد پہ کل زخمی ہوئی تھی صبح آزادی
یہ سرحد خون کی اشکوں کی آہوں کی شراروں کی
جہاں بوئی تھی نفرت اور تلواریں اگائی تھیں
یہاں محبوب آنکھوں کے ستارے جھلملاتے تھے
یہاں معشوق چہرے آنسوؤں میں جھلملاتے تھے
یہاں بیٹوں سے ماں بیٹیاں بہن بھائی سے بچھڑی تھی
یہ سرحد جو لہو پیتی ہے اور شعلے اگلتی ہے
ہماری خاک کے سینے پہ ناگن بن کے چلتی ہے
سجا کر جنگ کے ہتھیار میدانوں میں آتی ہے
میں اس سرحد پہ کب سے منتظر ہوں صبح فردا کا
(۲۵ ستمبر ۱۹۶۵ء)

'پتھر کی دیوار، میرا سفر، ہاتھوں کا ترانہ، قوالی، رادھا اور شارلٹ' اُن کی بہت اچھی نظمیں ہیں۔ ابھی ایک طویل نظم شروع کی ہے تو میرا اکبیرا جو بہت ہی خوب صورت ہے۔ سنسکرت کے شاعر ودیاپتی کی نظمیں بھی انھوں نے بہت خوب صورت زبان میں ترجمہ کی ہیں۔

سردار بھائی کے ادبی کارناموں کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ میں لکھنے بیٹھوں تو ایک کتاب بن جائے، پھر بھی ان کے شعری مجموعے تقریباً دس ہیں۔ 'گفتگو' نام کا رسالہ کئی سال تک نکالتے رہے۔ پدم شری ہیں۔ کئی انعامات پا چکے ہیں۔ کئی ڈاکیومنٹری فلمیں بنا چکے ہیں جن میں ہندوستان ہمارا اور علامہ اقبال قابل ذکر ہیں۔ علامہ اقبال کی ڈاکیومنٹری کی شوٹنگ ہندوستان اور پاکستان میں ہوئی تھی جسے خواجہ احمد عباس نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ اس ڈاکیومنٹری فلم کی دو کاپیاں حکومت ہند نے حکومت پاکستان کو تحفے میں دی تھیں۔ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ دیوان غالب، دیوان میر، کبیر، میرا بائی، کو دو زبانوں میں ایک ساتھ چھپوانا ایک طرف اردو میں اور دوسری طرف ہندی میں تاکہ ہندی جاننے والے بھی میر و غالب کو پڑھ سکیں۔

اپٹا کی بنیاد ڈالنے والوں میں سردار جعفری کا نام سر فہرست ہے۔ ہندوستان میں چھتنے سوانح میر (آواز اور روشنی کا ڈرامہ) بنے ہیں یعنی لال قلعہ پر، سابرمتی آشرم پر، کشمیر کے شالیمار باغ پر (جس میں آواز مینا کماری نے دی تھی)، پنڈت نہرو پر سب سردار بھائی کے لکھے ہوئے ہیں۔

جسٹس آف پیس رہ چکے ہیں۔ اقبال پر مہارت رکھتے ہیں۔ اُن کی کتاب 'اقبال شناسی' بہت مشہور ہے۔ جموں و کشمیر یونیورسٹی میں اقبال پر لکچر بھی دیتے رہے ہیں۔ بہت اچھے تنقید نگار بھی ہیں۔ اُن کی کتاب 'نئی دنیا کو سلام' بارہ زبانوں میں چھپ چکی ہے۔ اتنی شہرت کے باوجود ذرا بھی غرور نہیں کرتے ہیں۔

مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ جتنے بڑے ترقی پسند شاعر اور ادیب ہیں انھیں زندگی سے اتنا ہی پیار ہے۔ انھیں اپنے آپ سے پیار نہیں ہوتا ہے بلکہ پورے عالم سے پیار ہوتا ہے۔ اسی لیے دوسروں کے دکھ کو بہت شدت سے محسوس کرتے ہیں جیسے سجاد ظہیر، پی سی جوشی، کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری راجیشور راؤ، سردار جعفری، کیفی اعظمی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس۔ یہ لوگ کسی دوسرے کی تکلیف کو اتنی شدت سے محسوس کرتے ہیں جب ہی تو سوشلزم لانا چاہتے ہیں اور اتنے اچھے شاعر ہیں۔

یہی حال سردار بھائی کا ہے۔ کچھ پھل خرید کر لا رہے ہیں، نیچے پھٹے پرانے کپڑے پہنے غریب بچے للچائی ہوئی نظروں سے پھلوں کو دیکھ رہے ہیں۔ تقریباً سارے پھل بانٹ دیں گے۔ ایک دو پھل لائیں گے اپنے لیے یا اپنے گھر کے لیے، کسی سے ایک پیسہ بھی نہیں مانگیں گے، لیکن جب کسی دوسرے کو ضرورت ہوگی تو سب دوستوں کے دروازے کھٹکھٹائیں گے اور اپنی طرف سے بھی جتنا بن پڑے گا مدد کریں گے۔

سردار بھائی کو صرف ان کی ادبی خدمات کی بنا پر کم سے کم لکھپتی ہونا چاہیے تھا لیکن اس عمر میں بھی جب کہ وہ بہتر سال کے ہو چکے ہیں، ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے ہیں جس میں صرف دو بیڈ روم ہیں اور ایک چھوٹا سا ہال ہے جس میں آٹھ لوگ رہتے ہیں۔ وہ، بیگم، دو بیٹے، بڑے بیٹے کی بیوی، ایک تین سال کا پوتا اور ایک نوکر۔

ان کے لکھنے کے کمرے میں لوگ رہتے ہیں۔ لوگ ملنے آتے ہیں اور وہیں بیٹھتے ہیں کیوں کہ کوئی ڈرائنگ روم نہیں ہے اور اسی کمرے میں یہ تخلیقی کام بھی کرتے ہیں۔ اب چوں کہ اتنے بڑے کنبے کو پالنا ہے اس لیے سلطانہ آپا اپنی کمر کی تکلیف کے باوجود نوکری کرتی ہیں۔ حساس اتنے ہیں کہ آج تک مجھ سے بے تکلفی سے بھی اپنی تکلیف کا اظہار تک نہیں کیا۔ مدد مانگنا تو دور کی بات ہے۔

ابھی دو ہفتے پہلے جب کیفی بیمار ہو کر پاکستان سے لوٹے تو سب سے پہلا فون میں نے سردار بھائی کو کیا اور انھوں نے اسی خلوص سے میرا ساتھ دیا اور کیفی اچھے ہو گئے۔

ان کا دیا ہوا ڈاکٹر آج تک ہمارا فیملی ڈاکٹر ہے۔ سردار بھائی کی کتابوں اور کارناموں کی فہرست پڑھی تو میں ڈر گئی۔ ان کے بارے میں لکھنے کے لیے تو آدمی کو عالم ہونا چاہیے۔ میں تو عالم نہیں ہوں۔ میرے تو وہ صرف سردار بھائی ہیں۔ میں جب چاہوں انھیں بور کر سکتی ہوں، میری بات کٹ سکتی ہوں، بے وقت انھیں جگا سکتی ہوں، چائے پی سکتی ہوں، کھانا کھا سکتی ہوں۔ جب میرا جی چاہے ان سے فرمائش کرکے نظم سن سکتی ہوں۔

میرے لیے تو دونوں ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں جن کی صحت اور لمبی عمر کی دعائیں میں ہر وقت مانگتی رہتی ہوں۔

⊙⊙⊙

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
انیسویں صدی میں ادب، تاریخ اور تہذیب (صدیق الرحمن قدوائی کے اعزاز میں مضامین)	مرتبین: اطہر فاروقی، رضا حیدر، سرور الہدیٰ	۳۰۰/=
شاب اب ہم ساتھ سیر گل کریں گے	کشمیری لال ذاکر	۳۰۰/=
ترقی پسند ادب	علی سردار جعفری	۳۰۰/=
دلی کی درگاہ شاہ مرداں	خلیق انجم	۲۰۰/=
پہلا ورق (رسائل اردو ادب کے منتخب اداریے) اسلم پرویز	انتخاب و ترتیب: شمس الحق عثمانی، محمد فیروز دہلوی	۳۰۰/=
راس مسعود	حکیم سید ظل الرحمن	۲۵۰/=
پھل	اطہر فاروقی	۲۲۰/=
سیرت فریدیہ (سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں اور دیگر افراد خاندان کے حالات)	مصنف: سرسید احمد خاں، مرتب: خلیق انجم	۱۵۰/=
ہندوستان میں اردو سیاست کی تنظیم نو	اطہر فاروقی	۲۹۰/=
انقلاب ایک تاریخ ایک تہذیب کی کہانی	عابد اللہ غازی	۸۵/=
بلیک کل (مہاتما آنند کی پیتی طویل ادب)	ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی	۱۲۰/=
دوکان شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ)	شمیم حنفی	۲۰۰/=
دلی کے محاورے	سید ضمیر حسن دہلوی	۱۰۰/=
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا	خلیق انجم	۲۳۰/=
غالب تحقید	جاوید رحمانی	۱۱۰/=
سن ستاون کی دلی اور بہادر شاہ ظفر	اسلم پرویز	۱۵۰/=
آزاد ہندوستان میں اردو زبان تعلیم اور صحافت	اطہر فاروقی	۱۷۰/=
ہندوستان میں فکری و تہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر	صدیق الرحمن قدوائی	۱۸۰/=
The Court of indar	اندر سبھا (سید آغا حسن امانت)	
	افروز تاج	۳۰۰/=
اردو ہے جس کا نام (رباعیات کا مجموعہ)	امیر چند بہار	۱۱۰/=
پریم چند گھر میں (شیورانی دیوی)	مترجم: سید حسن منظر	۳۰۰/=
ادب کی ماہیات: تصور اور تعبیر (نیر پانڈے)	مترجم: سرور الہدیٰ	۳۰۰/=
دلی کے مسلمان دانشور (انیسویں صدی) مصنف: مشیر الحسن	مترجم: مسعود الحق	۲۷۵/=
گفتگو ان کی	اطہر فاروقی	۱۵۰/=
جہان اقبال	عبدالرحیم خاں	۷۵/=
کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی پس منظر میں)	ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی	۸۵/=
ہم سفروں کے درمیان	شمیم حنفی	۱۵۰/=
ڈاکٹر بشیر بدر کی شاعری (دیوناگری)	ڈاکٹر انجم بارہ بنکوی	۹۰/=
محقق غالب کالی داس گپتا رضا	محمد عارف خاں، مہتاب صدیقی	۸۰/=
ہماری رسمیں	ڈاکٹر نریش	۸۵/=
خواجہ غلام السیدین	پروفیسر آل احمد سرور	۲۲۰/=
خواجہ غلام السیدین (مضامین اور تقریریں)	خلیق انجم	۱۰۰/=

تیسری اور آخری قسط

جواہر لعل نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد

سوانح و افکار کی چند جھلکیاں

اسیم کاویانی (فلیٹ نمبر 702، کیتن اپارٹمنٹ، بیلویدرے روڈ، مجگاؤں، ممبئی 400010)
E-mail: aseemkavyani@gmail.com

غیر ستائشی جنبشِ لب

نہرو ایک بے حد جذباتی انسان تھے اور بہت جلد کسی پر بھروسا کرلیا کرتے تھے۔ اُن کی اسی کمزوری کا فائدہ کرشنا مینن نے اُٹھایا تھا۔ مولانا آزاد نے نہرو کو صلاح دی تھی کہ وہ کرشنا مینن کے بہکانے میں نہ آئیں۔ سردار پٹیل بھی آزاد کے ہم خیال تھے، لیکن نہرو نے کسی کی نہ مانی۔ کرشنا مینن کی نام نہاد اٹھا پٹک اور اُن کی لندن کی ہائی کمشنری نے بڑے گل کھلائے۔ مالی خورد بُرد، جیپ اسکینڈل اور بے قابو نشے بازی کے اُن کے کتنے ہی قصے خشونت سنگھ، ایم او متھائی اور مسز وجے لکشمی پنڈت وغیرہ کی تحریروں میں بکھرے پڑے ہیں۔

سیاسی محاذ پر بھی نہرو نے چند فاش غلطیاں کیں، جن کا خمیازہ پوری قوم نے بھگتا۔

آزادی سے قبل انھوں نے ایک غیر ذمے دارانہ بیان دے دیا تھا کہ 'ہندوستان میں صرف دو ہی طاقتیں ہیں: انگریز اور کانگریس۔' اُن کے اس بیان نے مسلم لیگ کی فرقہ پرستی کی ادھ بجھی چنگاریوں کو شعلوں میں بدلنے کا ایندھن فراہم کردیا تھا۔ اسی طرح 1937 کے عام انتخابات کے بعد یوپی کی کانگریسی وزارت میں نہرو نے لیگ کو شامل نہ کیا تھا، اس بنا پر لیگ نے کانگریس کو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ اعتبار قرار دے کر سیاسی انتقام کی راہ اپنائی تھی۔ نہرو کی اس غلطی کو مولانا آزاد سمیت ہر سیاسی مورخ نے ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ مولانا آزاد نے انھیں اس بات کے لیے بھی کبھی معاف نہیں کیا کہ کیبنٹ مشن کا ہندوستانی فیڈریشن کا پلان، جس میں بڑی حد تک مولانا کے متحدہ ہندوستان کا نقشہ موجود تھا اور جس میں جناح جیسی خود سر فطرتوں کی تسلی کے لیے آیندہ دور میں وفاق کے غیر مطمئن منطقوں کے الگ ہوجانے کی گنجائش بھی موجود تھی، نہرو نے بحیثیت صدرِ کانگریس اس پلان کے پابند نہ ہونے کا اشارہ دے دیا تھا۔ نہرو کے اس رویے نے جناح کے لیے کیبنٹ مشن کو مسترد کرنے کا موقع فراہم کیا اور انگریزوں کو ملک کی تقسیم پر مجبور کردیا۔

اس میں شک نہیں کہ زبان کے مسئلے پر پنڈت نہرو اصولی اعتبار سے سائنسی نقطۂ نظر رکھتے تھے اور سیاسی پہلو سے مفاہانہ اور روادارانہ رویے کے حامل تھے۔ دہلی میں 15 فروری 1958 کو منعقدہ اردو کانفرنس میں مولانا آزاد نے اپنی زندگی کی آخری تقریر میں صدرِ کانفرنس پنڈت نہرو کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں سب ہندستانیوں کے ساتھ مسلمانوں کے لیے بھی ہندی کی سرکاری زبان کی حیثیت تسلیم کرنے میں کوئی بات مانع نہیں ہے۔ بس یہ آرزو رہ گئی ہے کہ اردو کو بھی اس ملک میں ایک باعزت مقام مل جائے۔ اس کے ایک ہفتے بعد مولانا نے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا تھا، لیکن نہرو ہندوستان کے تختے پر اردو کو اس کا جائز مقام دلانے میں ناکام رہے اور اردو ان کی نظروں کے سامنے فرقہ ورانہ سیاست کا شکار ہوکر زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔

اشوک اور اکبر کا نام ایک ہی سانس میں لینے والے نہرو نے اپنی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں اشوکِ اعظم کے نشانات اور پیغامات کا تو سکہ رواں کیا اور انھیں قومی افتخار کا درجہ دیا لیکن اکبر کو انھوں نے بھول کر بھی یاد نہ کیا۔ اگر اکبر کے وسیع مشربی کے پیام کو بھی عام کیا جاتا اور اس کے دور کو بھی قومی عظمت کی تاریخ میں رقم کیا جاتا تو آج کچھ فرقہ پرست اور فسادی قوتوں کو یہ سوچنا اپنا جیسا بنانے کی نہ سوجھتی۔

مولانا آزاد کے فکر و عمل اور عوام سے دیانت و ضبط میں کہیں تو کچھ کمی تھی کہ مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کی سیاست پر اُن کی فراست غالب نہ آسکی۔ اسی طرح سیکولرزم اور سوشلزم کے چیمپئن ہونے کے باوجود نہرو کے کردار اور انتظامی صلاحیت میں کہیں تو کوئی کمزوری تھی کہ ہند کے سوا سو کروڑ لوگ آج بھی عدمِ مساوات، مذہبی تنگ نظری اور فرقہ واریت کا شکار ہیں۔ نہرو کے قائم کردہ ملک کے ڈیموں اور کارخانوں کو جدید ہندستان کے مندر قرار دیے جانے کے باوجود ہمارے سائنس داں آج بہت کو خلا میں چھوڑنے سے پہلے لارڈ وینکٹیشور کے بت کے آگے لیپ جلانا بھولتے نہ ہی منگل یان کی پرواز سے قبل پوجا پاٹ کرنا۔ یہاں کی دھرتی میں کوئی وائرس اور کوڑے کے نام لیوا اب تک پھل پھول رہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن ہیں۔

حواشی

1. پروفیسر محمد حسن نے قاضی عبدالودود کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "قاضی صاحب پتھری کے مریض تھے تو سوئزرلینڈ کے ایک نرسنگ ہوم میں داخل ہوگئے تھے۔ اُن کے برابر کے کمرے میں جواہر لعل نہرو کی اہلیہ بھی علاج کے لیے مقیم تھیں۔ وہ اردو جانتی تھیں اور برآمدے میں آرام کرسی پر دراز اردو کی کتابیں پڑھا کرتی تھیں۔" (بحوالہ 'ایوانِ اردو' نہرو نمبر 1989، ص 161)
2. 'ایوانِ اردو' ، مولانا ابوالکلام آزاد نمبر، ص 93،94
3. "100 Glorious Years. P.77"
4. تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں مولانا آزاد کی چند تقریروں کی بنا پر انھیں کلکتے میں 10 دسمبر 1921 کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس مقدمے کی پہلی پیشی میں مولانا نے اپنا تحریری بیان پیش کیا تھا جو 'قولِ فیصل' کے نام سے معروف ہے۔ 9 فروری 1922 کو آخری پیشی میں مجسٹریٹ نے انھیں تعزیراتِ ہند کی دفعہ 124-A کے تحت ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی تھی، لیکن بحوالہ 'ہماری آزادی' بعد انھیں یکم جنوری 1923 تک رہا نہیں کیا گیا تھا۔
5. 'انڈین میں' مشمولہ 'مضامینِ نہرو' مرتبہ آنند نرائن ملا، ص 102، اردو اکادمی دہلی، 1992
6. ایضاً، ص 103۔
7. ترجمان القرآن، جلد اول۔ دیباچہ طبع اول، از آزاد، ساہتیہ اکادمی، دہلی۔ دوسرا ایڈیشن 1976
8. ان کتابوں کے ساتھ دیگر کی کتابوں کا ذکر جامع الشواہد اور الہلال کی 1927 کی تقریبِ اشاعت کے ضمن میں دیکھا جاسکتا ہے۔
9. 'ایوانِ اردو' نہرو نمبر 1989، ص 59
10. 'غبارِ خاطر' مرتبہ مالک رام، ص 171، ساہتیہ اکادمی 1983
11. ایضاً، ص 172
12. ایضاً، ص 176-177
13. 'یادگارِ تحقیقین'، ص 94
14. 'Selected works'، جلد 11، ص 658،659
15. An Autobiography
16. 'غبارِ خاطر' مرتبہ: مالک رام، ساہتیہ اکادمی ایڈیشن، ص 39
17. ایضاً، ص 40
18. زبان کے مسئلے پر نہرو کے خیالات کا خلاصہ Selected works، جلد 8 صفحات 820،840 سے ماخوذ ہے۔

■◆■

مدیر: اطہر فاروقی
Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor: Mohd Arif Khan
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں
Printer, Publisher: Shahid Khan
مطبوعہ ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
Proprietor: Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک آٹھ امریکی ڈالر)
Subscription: (Per Issue) Rs. 2/- Yearly: 85/-
(Foreign Countries: US $ 8)
http://www.atuh.org, Phones: 23237212, 23237214